آرا وافکار

ڈاکٹر محی الدین غازی

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر

مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں-۲۷

(۱۰۷) القول علی اللہ کا مفہوم

قرآن مجید میں قول علی اللہ کی تعبیر مختلف صیغوں میں استعمال ہوئی ہے، اس تعبیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب کر کے یہ کہنا کہ اللہ نے یہ بات کہی ہے، جب کہ کہی نہ ہو، یا یہ کہنا کہ اللہ ایسا کرتا ہے یا کرے گا، جب کہ ایسا نہ ہو۔ بعض مترجمین نے بعض مقامات پر اس کا ترجمہ اللہ پر تہمت لگانا اور بہتان باندھنا کیا ہے، یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔ اس تعبیر کے اندر اللہ پر کسی طرح کی تہمت لگانے کا مفہوم نہیں پایا جاتا ہے۔ بعض مترجمین نے اللہ کی شان کے خلاف بات کہنے کا مفہوم بھی لیا ہے، وہ بھی اس لفظ کا اصل مفہوم نہیں ہے، اسی طرح بعض لوگوں نے اللہ کے ذمہ کوئی بات ڈالنے کا ترجمہ کیا ہے، یہ بھی الفاظ کے مطابق نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اللہ کے بارے میں کہنے کا ترجمہ کیا ہے، یہ بھی موزوں نہیں ہے۔

(۱) وَقَالُواْ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلاَّ أَيَّاماً مَّعْدُودَةً، قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللّهِ عَهْداً فَلَن يُخْلِفَ اللّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ۔ (البقرۃ:۸۰)

''اور وہ کہتے ہیں کہ ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن۔ پوچھو کیا تم نے اللہ کے پاس اس کے لیے کوئی عہد کرا لیا ہے کہ اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ پر ایک ایسی تہمت باندھ رہے ہو جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں''۔ (امین احسن اصلاحی)

''یا بات یہ ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں کہہ دیتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ اس نے ان کا ذمہ لیا ہے''۔ (سید مودودی، اللہ کی طرف منسوب کر کے کہ اس نے وہ باتیں کہی ہیں)

''یا اللہ تعالی کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے'' (اشرف علی تھانوی)

''بلکہ تم خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں'' (فتح محمد جالندھری)

''یا تم اللہ پر یونہی (وہ) بہتان باندھتے ہو جو تم خود بھی نہیں جانتے'' (طاہر القادری)

درست ترجمہ ہوگا: ''یا تم اللہ کی طرف منسوب کر کے وہ باتیں کہہ رہے ہو جن کا تم کو علم نہیں ہے''

(۲) إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ ۔ (البقرۃ:۱۶۹)

''اور یہ (بھی تعلیم کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ کہ جس کی سند ہی نہیں رکھتے'' (اشرف علی تھانوی)

''وہ تو بس تمہیں برائی اور بے حیائی (کی راہ) سجھائے گا اور اس بات کی کہ تم خدا کی طرف وہ باتیں منسوب کرو جن کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں ہے'' (امین احسن اصلاحی)

دوسرا ترجمہ زیادہ مناسب ہے۔

(۳) بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ (آل عمران:۷۵)

''یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان امیوں کے معاملے میں ہمارے اوپر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور یہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں'' (امین احسن اصلاحی)

(۴) وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ (آل عمران:۷۸)

''اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں'' (امین احسن اصلاحی)

(۵) يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ۔ (النساء:۱۷۱)

''اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر حق کے سوا کوئی اور بات نہ ڈالو'' (امین احسن اصلاحی)

''اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے زائد نہ بڑھو اور اللہ کی شان میں سچ کے سوا کچھ نہ کہو'' (طاہر القادری)

پہلا ترجمہ زیادہ مناسب ہے۔ یہاں اللہ کی شان میں کہنا مراد نہیں بلکہ کسی بات کو جو اللہ نے نہیں کہی ہے اسے اللہ کی طرف منسوب کر کے کہنا مراد ہے۔

(۶) الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ۔ (الانعام:۹۳)

''آج تم ذلت کا عذاب دیے جاؤ گے، بوجہ اس کے کہ تم اللہ پر ناحق تہمت جوڑتے تھے'' (امین احسن اصلاحی)

''آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر تہمت رکھ کر ناحق بکا کرتے تھے'' (سید مودودی)

''آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم خدا پر جھوٹ بولا کرتے تھے'' (فتح محمد جالندھری)

یہاں تیسرا ترجمہ درست ہے، پہلے اور دوسرے ترجمہ میں تہمت جوڑنے اور رکھنے کا ترجمہ کیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔

(۷) وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (الاعراف:۲۸)

''اور جب یہ لوگ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں، کہتے ہیں ہم نے اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور خدا نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ کہہ دو اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا ہے۔ کیا تم لوگ اللہ پر وہ تہمت جوڑتے ہو جس کے

باب میں تم کو کوئی علم نہیں‘‘ (امین احسن اصلاحی)

’’کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے‘‘ (اشرف علی تھانوی)

’’بھلا تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں‘‘ (فتح محمد جالندھری)

یہاں بھی اللہ پر تہمت جوڑنے یا اللہ کی نسبت کوئی بات کہنے کے بجائے کسی بات کو خدا کی طرف منسوب کر کے کہنا مراد ہے۔

(۸) قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ۔ (الاعراف:۳۳)

’’کہہ دو میرے رب نے حرام تو بس بے حیائیوں کو ٹھہرایا ہے، خواہ کھلی ہوں خواہ پوشیدہ، اور حق تلفی اور ناحق زیادتی کو۔ اور اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ تم اللہ کا کسی چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر کسی ایسی بات کا بہتان لگاؤ جس کا تم علم نہیں رکھتے‘‘ (امین احسن اصلاحی)

یہاں بھی اللہ پر بہتان لگانا غلط ترجمہ ہے، صحیح ترجمہ ہے: اور یہ کہ تم اللہ کی طرف منسوب کر کے وہ بات کہو جس کے بارے میں تم کو علم نہیں ہے۔

(۹) وَقَالَ مُوسَى يَا فِرْعَوْنُ إِنِّی رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ حَقِيقٌ عَلَى أَن لاَّ أَقُولَ عَلَى اللّهِ إِلاَّ الْحَقَّ۔ (الاعراف:۱۰۴،۱۰۵)

’’اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں خداوند عالم کا فرستادہ ہوں سزاوار اور حریص ہوں کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی اور بات منسوب نہ کروں‘‘ (امین احسن اصلاحی، اس میں حریص کا لفظ زائد ہے)

’’مجھے یہی زیب دیتا ہے کہ اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا (کچھ) نہ کہوں‘‘ (طاہر القادری)

یہاں پہلا ترجمہ درست ہے۔

(۱۰) أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَن لاَّ يِقُولُوا عَلَى اللّهِ إِلاَّ الْحَقَّ۔ (الاعراف:۱۶۹)

’’کیا ان سے درباب کتاب یہ میثاق نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ پر حق کے سوا کوئی اور بات نہ جوڑیں‘‘ (امین احسن اصلاحی)

’’کیا ان سے کتابِ (الٰہی) کا یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں حق (بات) کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے؟‘‘ (طاہر القادری)

یہاں بھی پہلا ترجمہ درست ہے۔

(۱۱) قَالُوا اتَّخَذَ اللّهُ وَلَداً سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِیُّ لَهُ مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الأَرْضِ إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَـذَا أَتقُولُونَ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ۔ (یونس:۶۸)

’’یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ تمھارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں

رکھتے'' (امین احسن اصلاحی)

یہ ترجمہ درست ہے، البتہ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَداً کا ترجمہ یہ نہیں ہوگا کہ ''یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے'' بلکہ یہ ہوگا کہ ''یہ کہتے ہیں کہ خدا نے کسی کو اولاد بنا لیا ہے''۔

(۱۲) وَأَنَّہُ کَانَ یَقُولُ سَفِیُہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطاً۔ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنۡ تَقُولَ الۡإِنسُ وَالۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِباً۔ (الجن:۴،۵)

''اور یہ کہ ہمارا بے وقوف (سردار) اللہ کے بارے میں حق سے بالکل ہٹی ہوئی باتیں کہتا رہا ہے اور یہ ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن خدا پر ہرگز کوئی جھوٹ نہیں باندھ سکتے'' (امین احسن اصلاحی۔ القول علی اللہ کی تعبیر دونوں آیتوں میں آئی ہے، دونوں آیتوں میں الگ الگ ترجمہ کیا گیا ہے، جب کہ دوسری آیت کا ترجمہ زیادہ صحیح ہے، ایک چوک مترجم سے یہ ہوگئی ہے کہ دوسری آیت میں لن کا ترجمہ مستقبل سے نہیں کیا ہے۔ صحیح ترجمہ ہوگا ''ہرگز کوئی جھوٹ نہیں باندھیں گے'')

''اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے اور ہمارا (پہلے) یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے'' (اشرف علی تھانوی)

''اور یہ کہ ہم میں سے بعض بیوقوف خدا کے بارے میں جھوٹ افتراء کرتا ہے. اور ہمارا (یہ) خیال تھا کہ انسان اور جن خدا کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے'' (فتح محمد جالندھری، جھوٹ نہیں بولتے کے بجائے جھوٹ نہیں بولیں گے ہونا چاہئے، کیونکہ ''لن'' مستقبل کے لئے ہوتا ہے)

''اور یہ کہ ہم میں سے کوئی اَحمق ہی اللہ کے بارے میں حق سے دور حد سے گزری ہوئی باتیں کہا کرتا تھا، اور یہ کہ ہم گمان کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے'' (طاہر القادری)

اس آیت کے مذکورہ ترجموں میں خدا پر جھوٹ باندھنے کا ترجمہ زیادہ صحیح ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بعض مترجمین کے یہاں ایک ہی لفظ کے مختلف مقامات پر مختلف ترجمے ملتے ہیں، یا تو اسے تسامح سمجھا جائے، یا پھر ممکن ہے کہ ان کو ترجمے کے سلسلے میں تردد ہو، اور کسی ایک تعبیر پر اطمینان نہ ہو۔

(جاری)

آرا وافکار

ڈاکٹر محمد اکرم وِرک*

''سفرِ جمال: نبی مکرمؐ کی جمالیاتی مزاحمت کی پرعزم داستان''

(میاں انعام الرحمٰن کے مجموعہ مقالات پر ایک نظر)

اسلامی ادبیات کے سدابہار موضوعات میں سے ایک سیرت نگاری ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں کی فہرست میں جگہ پانا ایک عظیم سعادت ہے۔ سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا تو آپ کی ولادت باسعادت سے بھی پہلے کا ہے۔ تاہم علومِ اسلامیہ میں بطور فن، سیرت نگاری کا منظّم آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا۔ تاریخ علوم میں کسی انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت کے ساتھ نہیں لکھا گیا جتنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر لکھا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود عجائباتِ سیرت لامتناہی ہیں، سیرت کے کتنے ہی گوشے ہنوز پردۂ مستور میں ہیں اور محققین کے لئے چیلنج ہیں۔

قدیم ادبِ سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولِ روایت اور اصولِ درایت کو پوری طرح بروئے کار نہ لانے کی وجہ سے کتبِ سیرت میں کمزور اور موضوع روایات داخل کر دی گئیں، جن کی کوئی معقول توجیہ ممکن نہیں۔ یہی روایات مستشرقین کی مرغوب غذا ہیں جن کو بنیاد بنا کر سیرت پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ سترھویں صدی کے آغاز سے موجودہ دور تک سیرت پر مستشرقین کی جو کتابیں منصۂ شہود پر آئیں، ان میں سے بیشتر کتب میں انہی کمزور روایات کو تحقیقات کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ مشہور مستشرق سر ولیم میور (م ۱۹۰۵ء) (Sir William Muir) کی کتاب The Life of Muhammad بڑی تہلکہ خیز ثابت ہوئی۔ اس کتاب میں علمی انداز میں رسول اللہؐ کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا گیا اس کتاب کی پذیرائی نے مسلمان اہلِ علم کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ سر سید احمد خانؒ (م ۱۸۹۸ء)، اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت فرمائے، وہ اوّلین شخص تھے جنھوں نے ۱۸۷۰ء میں ''خطباتِ احمدیہ'' میں مستشرق مذکور کے اعتراضات کا علمی اسلوب میں جواب دیا۔ سر سید کے اسلوبِ نگارش اور طرزِ استدلال سے برصغیر میں سیرت نگاری کے ایک نئے رجحان نے جنم لیا۔ روایاتِ سیرت کو تنقیدی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ (م ۱۹۱۴ء) نے سر سید کی روایت کو ایک منظّم تحریک میں بدل دیا۔ علامہ موصوف نے سیرت نگاری میں غیر مستند مواد کو الگ کرنے کے لئے اپنی قابلِ قدر تصنیف ''سیرۃ النبی'' کے مقدمے میں سیرت نگاری کے گیارہ

* ایسوسی ایٹ پروفیسر (شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی) گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

اصول بیان کئے۔ علامہ شبلی نے سیرت نگاری کے جو اصول بیان کئے ہیں، ان کا تنقیدی جائزہ لیا سکتا ہے، ان سے اتفاق یا اختلاف کی گنجائش بھی موجود ہے، تاہم ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ علامہ شبلی نے سیرت نگاری کے جن اصولوں کو متعارف کروایا، اس نے مابعد ادبِ سیرت پر اتنے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں کہ تقریباً ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی سیرت نگار، علامہ شبلی کے اسلوب نگارش اور اصولِ سیرت نگاری کے حصار سے باہر نہیں نکل سکے۔ علامہ شبلی نے سیرت نگاری کے جو اصول متعین کئے ہیں، ان اصولوں پر محدثین کے اصولوں کی گہری چھاپ ہے۔ روایاتِ سیرت کو محدثین کی کڑی شرائط پر پرکھنا کس حد تک درست ہے، یہ بہرحال ایک الگ بحث ہے، تاہم ان اصولوں کے عملی اطلاق کے بعد سیرت پر موجود مواد کے ایک معقول حصے سے محرومی لازم تھی، لیکن اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ اہل علم نے روایاتِ سیرت کی جانچ پرکھ میں مزید احتیاط کی روش اختیار کی۔

علامہ شبلی کے بعد، راقم الحروف کے علم کی حد تک، اصولِ سیرت نگاری پر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی کی کتاب ''اصولِ سیرت نگاری'' کے علاوہ اردو ادبِ سیرت میں کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی لیکن اس کتاب کی علمی قدر و قیمت کا اعتراف کرنے کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کتاب میں بھی اصولِ سیرت نگاری کے نام پر فاضل مصنف نے زیادہ گفتگو سیرت کے مصادر و مراجع پر ہی کی ہے۔ فاضل مصنف نے سیرت نگاری کے جو پچیس اصول ذکر کئے ہیں، وہ اصول کم، سیرت کے مصادر و مراجع زیادہ ہیں۔

پروفیسر میاں انعام الرحمٰن ان خوش بخت لوگوں میں سے ہیں جن کو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس موضوع پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ فاضل مصنف کی زیر نظر کتاب ''سفر جمال: نبی مکرمؐ کی جمالیاتی مزاحمت کی پرعزم داستان'' اردو ادبِ سیرت میں ایک خوبصورت اور نادر اضافہ ہے۔ یہ کتاب، تالیف نہیں ''تصنیف'' ہے جس میں فاضل مصنف نے سیرت نگاری کے لگے بندھے انداز سے ہٹ کر ایک منفرد اسلوب اختیار کیا ہے۔ ہماری محتاط رائے میں اردو ادبِ سیرت میں زیر نظر کتاب ایک نئے اور منفرد رجحان کی نمائندہ کتاب ثابت ہوگی۔ فاضل مصنف نے قرآن مجید پر گہرے تدبر کے بعد سیرت نگاری کے اصول اخذ کئے ہیں۔ اس مختصر کتاب کا مقدمہ خاصے کی چیز ہے۔ مقدمہ بائیس (۲۲) صفحات پر مشتمل ہے جس میں فاضل مصنف نے سیرت نگاری کے ان اصولوں کی نشان دہی کی جن کو پیش نظر رکھنے سے سیرت نبوی کے آفاقی پہلو کی تفہیم ممکن ہے۔ کتاب کا مقدمہ مصنف کی اجتہادی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کتاب کے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ کتاب کا مقدمہ پوری توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ مصنف نے سیرت نگاری کے جن اصولوں کی نشاندہی کی ہے، زیر نظر کتاب میں ان اصولوں کا اطلاق کر کے سیرت کے ایسے گوشوں کو منکشف کیا ہے جس کی طرف سیرت نگاروں نے کم ہی توجہ دی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ سیرت نگاری کے اس اسلوب سے ہمارے روایتی مذہبی حلقے میں برپا نور و بشر اور حاضر و ناظر جیسی لاینحل بحثوں کی گتھی بھی سلجھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ فاضل مصنف نے سیرت نگاری کے جن اصولوں کا تعین کیا ہے، ان میں سے چند ایک کا مختصر تعارف ہم ذیل کی سطور میں پیش کریں گے۔

پہلا اصول: قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں بلکہ توقیفی ہے اور یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کے منشا اور حکم کے مطابق

ہے۔فاضل مصنف نے حضرت عائشہؓ کے قول: ”کان خلقہ القرآن“ سے استدلال کرتے ہوئے سیرت نگاری کا بڑا اہم اصول اخذ کیا ہے۔ پروفیسر میاں انعام الرحمٰن لکھتے ہیں:

''جب قرآن مجید کی نزولی ترتیب کو اٹھالیا گیا، اسے باقی نہیں رکھا گیا اور اسی وجہ سے قرآن مجید اپنے نزول کے مخصوص دور سے ماورا ہو کر آفاقی اور قیامت تک کے لیے ہدایت کا آخری سرچشمہ قرار پایا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو زمانی ترتیب سے منسوب کر کے ایک مخصوص دور کے لیے محدود کیوں کیا جائے؟''(ص:۳۲)

ہماری رائے میں اگر اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو سوانح نگاری اور سیرت نگاری میں جو فرق ہے، وہ بالکل نمایاں ہو جائے گا۔قرآن مجید نے مسلمانوں کے خدا کا تعارف ''رب العالمین'' کی صفت سے کروایا ہے اور اپنا تعارف ''ذکر للعالمین'' سے کروایا ہے۔اور اگر سیرت نگاری میں اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو سیرت نبویہ کس اس آفاقی پہلو کا جسے قرآن مجید نے ''رحمۃ للعالمین'' کہا ہے، صحیح معنوں میں ظہور ہوگا۔سیرت نگاری میں اس اصول کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت کیوں ہے؟ میاں صاحب لکھتے ہیں:

''چوں کہ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں، نبی خاتم ہیں، اس لیے آپ کی سیرت طیبہ کا بیان محض مسلمانوں کا داخلی معاملہ نہیں کہ آپ تو نوع انسانی کے ہر فرد بشر کے لیے مشعل راہ ہیں۔اس لیے سیرت نگاری صرف مسلم مخاطبین کو پیش نظر رکھ کر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ صرف اور صرف مسلم مخاطبین کو پیش نظر رکھ کر کی گئی سیرت نگاری ہے جو نہ صرف زندگی کی واقعیت سے دور جا پڑتی ہے بلکہ مطالعہ سیرت کے غیر مسلم قاری کو شش و پنج میں مبتلا کر دیتی ہے۔اسی اپروچ کا نتیجہ ہے کہ مطالعہ سیرت کا روایتی بیانیہ، آپ کے رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہونے سے لگا نہیں کھاتا۔''(ص:۳۸)

روایتی مذہبی حلقے میں سیرتِ طیبہ کی تفہیم کے محدود اور سطحی تصور پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض لوگ سیرت نگاری کے باب میں غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں جب وہ (نزولی ترتیب سے مربوط ارتقائی مراحل کی بنا پر) کہتے ہیں کہ ہم ابھی مکی دور سے گزر رہے ہیں۔انہیں جاننا چاہیے کہ اگر قرآن مجید کی حتمی ترتیب اپنے موضوعاتی بکھراؤ کے جلو میں، ایک ہی موضوع کے متعلق مختلف احکامات کو ارتقا کے (پرانے مراحل کے) بجائے نظامِ تناسبات کے اثبات کے ساتھ نئے زمانی احوال، سماجی مقتضیات اور ثقافتی متغیرات کے حوالے سے دیکھتی ہے تو پھر صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کیوں کر (پرانے ارتقائی مراحل کی) پابند رہ سکتی ہے؟ سیرتِ مطہرہ کے باب میں، قرآن مجید کی حتمی ترتیب سے وابستہ حکمت اور قرآنی نظامِ تناسبات کا لحاظ نہ رکھنے کا نتیجہ ہے کہ علمی و عملی میدان میں 'غلو' کی نت نئی عجیب و غریب صورتیں ظہور پا رہی ہیں۔''(ص:۴۹،۵۰)

ابتدائی صدیوں کی سیرت نگاری میں یہ گوشہ دب جانے کی وجہ سے ہی یہ تاثر پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عربوں کے نبی ہیں۔غالباً اسی پس منظر میں ایران میں نقطوی تحریک کا ظہور ہوا جن کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام صرف ایک

ہزار سال کے لیے ہی تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت آفاقی نہیں بلکہ صرف عربوں کے لیے تھی۔ اس تحریک نے برصغیر کو بھی متاثر کیا اور مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر نے اسی تحریک کے زیرِ اثر ''دینِ الٰہی'' کی بنیاد رکھی۔

دوسرا اصول: سیرت نگاری کا دوسرا اصول جس کی طرف فاضل مصنف نے توجہ دلائی، وہ قرآن مجید میں سابقہ انبیاء کی سیرت کا تدبر سے مطالعہ کرتے ہوئے نمایاں ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے انبیاء کی سیرت نگاری میں نبوت و رسالت کے مرکزی پیغام کو کسی بھی جگہ پر متاثر نہیں ہونے دیا۔ قرآن مجید نے بعض انبیاء کا ایک سے زائد مقامات پر تذکرہ کیا ہے، لیکن تمام مقامات پر نبی کے پیغام کی مرکزیت پوری طرح نمایاں رہی ہے۔ انبیاء کرامؑ کی بعثت کا بنیادی مقصد معاشرے کی اخلاقی تطہیر ہے، اس لیے انبیاء کرام کی سیرت نگاری میں دعوتی اور تذکیری پہلو بہت نمایاں ہے۔ فاضل مصنف نے اس سے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بھی اسی انداز سے بیان کیا جانا چاہیے کہ آپ کی زندگی کا دعوتی اور تذکیری پہلو نمایاں ہو اور کسی بھی جگہ پیغامِ محمدی کی روح متاثر نہ ہونے پائے۔ میاں انعام الرحمٰن رقمطراز ہیں:

> ''قصص الانبیاء کے بیان میں خدا نے جو اسلوب اور منہج اختیار کیا، سیرت نگاری میں اس سے بھرپور استدلال کرنا چاہیے کہ سیرت طیبہ کا بیان ایک اعتبار سے قصے کا بیان بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اس کا رائٹر انسان ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ (قرآن میں مذکور) ہر نبی کا قصہ ایک اعتبار سے اس کی سیرت کا بیان ہے اور کسی کی بھی سیرت کو مکمل اور زمانی ترتیب سے پیش نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک کی سیرت میں سے ایسا 'انتخاب' کیا گیا ہے جو ابدی ہونے کے باعث تا قیامت انسانوں کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ انتخاب 'رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر سابقہ انبیا کی تاریخی مہر' ثبت کرنے کی علامت بھی ہے۔'' (ص: ۳۳)

ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ ہمارے ہاں سیرت نگاری میں فضائل و کمالات کا تذکرہ اس اسلوب میں کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور شان نمایاں ہو اور بس، لیکن اس قسم کی سیرت نگاری میں قارئین کے لیے کوئی عملی پیغام عام طور پر موجود نہیں ہوتا۔ یہی حال ان کتابوں کا بھی ہے جو محض معلوماتِ سیرت (Database) پر مبنی ہیں، اگرچہ اس نوعیت کی سیرت نگاری کی جزوی افادیت کا انکار ممکن نہیں تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اس میں چونکہ رسالتِ محمدیؐ کا مرکزی پیغام پیش نظر نہیں ہوتا لہٰذا سیرت کا آفاقی پہلو پردۂ اخفاء ہی میں رہتا ہے۔

تیسرا اصول: عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا فخر تھا۔ عرب شعراء نے فن شاعری اور خطباء نے مقفع و مسجع گفتگو اور نثر نگاری کو نکتہ کمال تک پہنچا دیا تھا اور اپنے مقابلے میں پوری دنیا کو عجمی سمجھتے تھے۔ قرآن مجید عرب شعراء اور خطباء دونوں کے لیے چیلنج کے طور پر نازل ہوا۔ فصحائے عرب کو اعتراف کرنا پڑا کہ قرآن نہ تو شاعری ہے اور نہ ہی محض مقفع و مسجع نثر نگاری، بلکہ قرآن صرف قرآن ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک جداگانہ صنف ہے۔ قرآن مجید میں اصل غلبہ اس کے پیغام کو حاصل ہے۔ قرآن مجید نے عربوں کو اس بحث میں پڑنے ہی نہیں دیا کہ وہ قرآن مجید کو فن شاعری اور نثر کے اصولوں پر ہی پرکھنے کے چکر میں پڑے رہیں۔ قرآن نے اپنے اسلوب کو عربوں کے لیے چیلنج تو ضرور قرار دیا لیکن اپنی دعوت پر اس نئے اور منفرد اسلوب کو غالب نہیں آنے دیا۔ میاں انعام الرحمٰن چونکہ سیرت رسول عربیؐ کو